مفتی محمد عارف قادری عفی عنہ

پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی ایم۔اے

مکتبہ رضویہ ○ گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

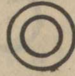
وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا

اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام انسانوں کو گھیرنے والی ہے۔

پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم

سعید

مقامِ رسول عقل کی روشنی میں



مجاہد ملت حضرت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی ایم۔ اے

کا

وہ مقالہ جو بین الاقوامی سیرت النبی کانفرنس کراچی منعقدہ ۲۷ فروری تا یکم مارچ ۱۹۵۹ء میں پڑھا گیا



مکتبہ رضویہ، گجرات

نام کتاب ـــــــــــــــــــ پیغمبر عالم
کتابت ـــــــــــــــــــ حافظ محمد سراج سعیدی
تصحیح ـــــــــــــــــــ ظہورالدین خاں
ناشر ـــــــــــــــــــ مکتبہ رضویہ، گجرات
مطبع ـــــــــــــــــــ پرنٹیکس، دربار مارکیٹ، لاہور
تعداد ـــــــــــــــــــ گیارہ سو
قیمت ـــــــــــــــــــ ۱/۵۰



ـــــ ملنے کا پتہ ـــــ

۱۔ مکتبہ رضویہ، کرشنا سٹریٹ، ریلوے روڈ گجرات
۲۔ شرکت حنفیہ لمیٹڈ، گنج بخش روڈ ۔ لاہور

تقدیم

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

فاضل مصنّف حضرت مولانا محمد عبدالستّار خاں نیازی مدظلّہ العالی ملک کی جانی پہچانی شخصیّت ہیں، وہ تعارف کے محتاج نہیں، تعارف کا محتاج وہ ہوتا ہے جس کی سیرت "عملِ صالح" سے خالی ہو —— جس کی سیرت "عملِ صالح" کی روشن تفسیر ہو وہ محتاجِ تعارف نہیں۔

پیشِ نظر مقالہ اگرچہ مختصر ہے مگر اس میں عقل کی روشنی بھی ہے اور دل کی گرمی بھی ہے —— نکات سے معمور ہے —— ہر نکتہ غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور پڑھکر اُجالا سا محسوس ہوتا ہے —— فکرِ مومنانہ کی یہی نشانی ہے کہ اس کی روشنی میں تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔

حضرت فاضل مصنّف نے اس مقالے میں اختیار و اقتدارِ رسولِ کریم علیہ التحیّۃ والتسلیم کے روحانی و نفسیاتی، علمی و عقلی، تاریخی و سیاسی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور یہ بتایا ہے کہ نوعِ انسانی کی فلاح آپ کی پیروی کے بغیر ناممکن ہے۔

سب سے پہلے آپ نے نوعِ انسانی کو فکری لحاظ سے تین بڑے گروہوں پر تقسیم کیا ہے:-

(ا) منکرین —— وہ لوگ جنہوں نے عقل سے بالاتر اور دائرۂ عقل میں

[redacted]

جو کچھ ہے، سب سے انکار کیا۔

(ب) مشرکین ـــــ وہ لوگ جنہوں نے عقل سے بالاتر حقائق سے انکار کیا اور دائرۂ عقل میں جو کچھ ہے اُس کا اِقرار کیا۔

(ج) مومنین ـــــ وہ لوگ جنہوں نے عقل سے بالاتر اور دائرۂ عقل میں جو کچھ ہے، سب کو تسلیم کیا۔

گروہِ منکرین کی نامُرادیاں اور گروہِ مشرکین کی ناکامیاں ہمارے سامنے ہیں ـــــ نامُراد و ناکام وہی ہے جو زندگی کو سکوں نہ دے سکے اور خوف و دہشت میں مُبتلا کر دے۔

زخمہا خوردند از شمشیرِ خویش
بسمل افتادند چوں نخچیرِ خویش

منکرین کا کوئی امام نہیں ـــــ مشرکین کا کوئی امام نہیں ـــــ ہاں مومنین کا امام ہے، امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ جو اُس نے کہا، انہوں نے تسلیم کیا ـــــ سرِ نیاز خم کر کے دونوں جہاں کی دولت سے مالا مال ہو گئے ـــــ جس صاحبِ نظر کو انہوں نے دل دیا اُس کی نظر کے سامنے زندگی کا آغاز بھی تھا انجام بھی تھا ـــــ اُس کا ہاتھ نبضِ حیات پر تھا ـــــ وہ جمالِ حیات سے باخبر تھا ـــــ وہ جمالِ علم و عمل سے آشنا تھا ـــــ

کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ انسان "خوب و ناخوب" کی تمیز رکھتا ہو، یہی تمیز "سچی" ترقی کی جان ہے ـــــ جس طرح امراضِ جسمانی کے علاج کیلئے مفردات کے خواص معلوم ہونے ضروری ہیں اسی طرح معاشرتی اور رُوحانی اُمراض کے علاج کے لئے اعمال و افکارِ انسانی کے خواص معلوم ہونے ضروری ہیں تاکہ مُفید اعمال و افکار کو اپنایا جائے اور مُضر اعمال و افکار سے بچا جائے ـــــ لیکن ان خواص کا علم اُسی ہستی کو ہو سکتا ہے جو انسان کے ظاہر و باطن اور اوّل و آخر سے باخبر ہو ـــــ جو کچھ ہمارے سامنے ہے۔

یہی نہیں ہے، اِس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے —— ایسی باخبر ہستی وہی انسانِ کامل ہو سکتا ہے جو خود بھی باخبر ہے اور بے خبروں کو باخبر بنا رہا ہے —— اُس کے پاس علم و دانش کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو کسی کے پاس نہیں، —— ہاں یہ "وحی" ہے جو آن کی آن میں رازہائے سربستہ کھول کر رکھ دیتی ہے، جو اپنے دامن میں زمان و مکاں کے لازوال فاصلوں کو سمیٹے ہوئے ہے —— بلاشُبہ حیاتِ انسانی کی یہی اساس ہے ؎

خُوب و ناخُوب عمل کی ہو گرہ وا کیونکر

گر حیات نہ ہو شارحِ اسرارِ حیات

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہدایت کے لئے رسُول علیہ التحیۃ والتسلیم ہی کی کیا ضُرورت ہے، دانائی و حکمت کے ذخیرے اور بہت سی قوموں نے دیے ہیں مگر فاضل مُصنّف نے بڑی دل لگتی بات فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ غور کیا جائے تو معلُوم ہو گا کہ یہ قومیں کسی نہ کسی طرح صاحبِ وحی کے فیضان سے ضرور مُستفیض ہوئی ہیں —— جس طرح دورِ حاضر میں ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کی روشنی نے کتنے دماغوں کو روشن کیا اور کتنے جہانوں کو آباد کیا —— بیشک عقل ایک مفید شئے ہے مگر "وحی" کے بغیر کچھ بھی نہیں اور "وحی" کی رفاقت و معیّت میں سب کچھ ہے ؎

عشق چو زیرکی ہمسر شود

نقشبندِ عالمِ دیگر شود

اور اقبالؒ کی ہمنوائی میں جگرؔ کہتا ہے ؎

کاروبارِ جہاں سنورتے ہیں

ہوش جب بیخودی سے ملتا ہے

"وحی" کو عقل کا رہبر بنانا چاہیئے، اس کے بغیر عالمی مسائل حل نہیں ہو سکتے بلکہ سُلجھانے سُلجھاتے

اور الجھتے چلے جائیں گے —— فکرِ مومنانہ کی ضرورت ہے ؎

تقدیرِ اُمم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

عالم اسباب میں "عقل" اور "وحی" کی بات یوں سمجھئے جیسے بیل گاڑی اور چاند گاڑی —— بیل گاڑی کا چاند پر اُترنا ممکن نہیں —— یہ شرف صرف چاند گاڑی کو حاصل ہے —— تو جس کو بلندیوں کی طرف جانا ہے وہ "وحی" سے لَو لگائے اور جس کو پستیوں کی طرف جانا ہے وہ عقل پر بھروسہ کرے لیکن اس حقیقت کو ذہن نشین رکھے ؎

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات

اسلام اور شارعِ اسلام علیہ الصلوٰۃ و السلام نے نوعِ انسانی پر بڑا احسان کیا کہ "وحی" کی روشنی سے منوّر کیا —— ایک اُمت کا تصوّر دیا، فکر کو مرکزیت بخشی، زندگی و موت کو ایک سلسلے کی کڑیاں بنا کر موت کو گوارا بنایا اور زندگی کو پُرعزم کر دیا، کالے گورے کا فرق مٹا کر، انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلائی، عقل کی راہیں کھولیں اور ہر راہ کو دروازۂ توحید سے گزارا —— حضرت فاضل مُصنّف نے ان چند احسانات کو گنایا ہے، اور دریا کُوزے میں بند کیا ہے —— اس کے بعد دورِ جدید کے تین اہم مسائل کا ذکر کیا ہے جو اِس وقت عالمِ انسانیّت کو درپیش ہیں :-

(ا) اخوّتِ انسانی
(ب) جابرانہ حکومت
(ج) حُرّیّتِ فکر

اس وقت انسان کو اخوت کی سخت ضرورت ہے لیکن دن بدن انتشار بڑھتا جارہا ہے،

اخوت پارہ پارہ ہو رہی ہے ، انسان ، انسان کو تباہ کرنے کی تدبیریں سوچ رہا ہے ، مُہلک ہتھیار بنائے جا رہے ہیں —— ہتھیار تو پہلے بھی بنتے تھے مگر وہ اُنہیں کے لئے بنتے تھے جو میدانِ جنگ میں لڑتے آتے تھے ، اَب سب کے لئے بنتے ہیں ، معصوم بچّوں کے لئے ، پاک باز عورتوں کے لئے ، بیمار و ضعیف انسانوں کے لئے —— پھر بھی وہ جو گزر گئے غیر متمدّن اور غیر مُہذّب تھے اور یہ جواَب ہیں ، بایں ہمہ سفّاکی و خونخواری متمدّن و مہذّب ہیں —— اس اندازِ فکر پر آنسو نہ بہائیں تو کیا کریں ؟ —— تو بات تھی اخوتِ انسانی کی —— فاضل مصنّف نے دل لگتی بات فرمائی ہے کہ اُخوت جب حاصل ہو سکتی ہے ، جب انسانوں کے درمیان کوئی "قدرِ مُشترک" ہو —— تو یہ "قدرِ مُشترک" توحید و رسالت سے بڑھ کر مفید اور مؤثر اور کیا ہو سکتی ہے ، اِسی نے صدیوں تک ایک عالم کو مُتحد رکھا ——

انسانوں کو رحیمانہ حکومت کی ضرورت ہے ، جابرانہ حکومت کی نہیں —— وہ حکومت جو اُس رحیم و کریم نے قائم کی جس کے لئے نعرۂ عظمت آسمانوں کی بلندیوں سے لگایا گیا صلوٰا علیہ وسلموا تسلیما —— جابر حکومتوں میں انسان سے انسان کی دولت اُس کے لئے نہیں ، اپنے لیے لی جانے لگی —— اس جبر و استبداد سے چھٹکارا اُسی وقت ممکن ہے جب اُس رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو نمونۂ عمل بنائیں جس نے لینا نہیں ، دینا سکھایا —— جس نے دنیا والوں کے لیے اپنا سب کچھ لُٹا دیا —— جو لیتا بھی ہے تو اپنے کے لئے ، لینے کے لئے نہیں —— اپنی جان پر خرچ کرنے کے لئے نہیں ، اپنے ذاتی فائدوں کے لئے نہیں ——

اخوّتِ انسانی اور رحیمانہ حکومت کے ساتھ ساتھ انسانوں کو حرّیتِ فکر کی بھی ضرورت ضرورت ہے —— مگر نوعِ انسانی پر یہ ظُلم روا رکھا جا رہا ہے کہ حرّیتِ فکر کیسے بہلنے ہر کوئی اُس کو قابو میں کر کے پابندیٔ فکر کے طوق و سلاسل اس کے گلے میں ڈال دیتا ہے ——

مگر وہ آنے والا (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسی آزادی دینے آیا تھا جو انسان کو صرف اُسی کے خدا کا محکوم بنا دے، زمین پستیوں سے بلند کر کے آسمان کی رفعتوں میں لے جائے اور ہر آسمان کی سیر کرا دے ——

تو اخوتِ انسانی کا قیام، جابرانہ حکومت سے نجات، حریتِ فکر کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب انسان رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں اپنی جان دے دے اور پھر بلندیوں کی سیر کرے —— اِس سے بڑھ کر آزادی اور کیا ہوگی کہ راہوارِ فکر اُنہیں راہوں پر چلے جو خالقِ کائنات نے متعیّن کر دیے لیکن ان راہوں کا تعین پیروی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر ناممکن ہے۔

پیروی کے لئے ایسی واضح روشن سیرت ہونی چاہیئے جس کی زندگی کا ہر گوشہ مخلوقِ الٰہی کے سامنے ہو، کوئی گوشہ چُھپا نہ ہو —— جو آج بھی اُسی طرح جیتا جاگتا ہو جس طرح صدیوں پہلے جیتا جاگتا تھا —— اس معیار پر انسانوں کو پرکھتے جائیے، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کے کوئی زندگی اتنی روشن و تابناک نظر نہ آئیگی —— ہم میں کتنے ہیں جن کی زندگی کے سب گوشے ہمارے سامنے ہیں؟ —— ایک بھی تو نہیں —— ہم قریبی اور جگری دوستوں کے احوال تک سے بے خبر ہیں —— ہم پرکھتے نہیں، دل دے دیتے ہیں —— بہت سادہ لوح ہیں —— اتنا بڑا سودا کرتے ہیں اور اس سادگی کے ساتھ! —— ہم پر حکومت کرنے والے برسوں حکومت کرتے ہیں پھر بھی ہم اُن سے ناواقف رہتے ہیں —— جب وہ تخت سے اُترتے ہیں تو ایک ایک کر کے ان کے عقدے کھلتے چلے جاتے ہیں، دنیا سُن سُن کے حیران ہوئی جاتی ہے اور ہم اپنی نادانی اور بے خبری پر ماتم کرتے ہیں —— جو عُقدے اقتدار سے پہلے کھلنے چاہییے تھے وہ بعد میں کھلتے ہیں —— لیکن وہ انسانِ کامل جس کو نمونۂ حیات بنا کر پیش کیا گیا ہے

اُس کی زندگی عُقدہ نہیں ، اُس نے ہزاروں عقدے حل کر دیے ـــــ وہ خود عقدہ نہیں ، عقدہ کُشا ہے ۔ ـــــ ہاں وہ اِس قابل ہے کہ اقتدار و حکومت اور اتّباع و پیروی کے لئے اس کو نمونہ بنایا جائے تاکہ نوعِ انسانی اپنی زندگی سنوار سکے اور دنیا میں جنّت کا لُطف اُٹھا سکے ـــــ

علماءِ حق کے مقدّس گروہ نے ہر زمانے میں اُسی کے اقتدارِ اعلیٰ کے لئے سعی کی اور اپنے تن من دھن کی بازی لگا دی ـــــ اس اقتدار اعلیٰ کے لئے دورِ جدید میں "نظامِ مُصطفیٰ" سے بہتر اور مقبول کوئی اصطلاح نہیں ـــــ علماء حق نے اسی نظامِ مصطفیٰ کے لئے اپنا سب کچھ لُٹایا ـــــ ان کے دل میں نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ پُوری عالمِ انسانیت کے لئے درد تھا ـــــ وہ صرف اپنے نہ تھے ، وہ سب کے تھے ـــــ نظامِ مصطفیٰ صرف ان کے دل کی آواز نہ تھی ، ہر دل کی آواز تھی ـــــ بطنِ گیتی کی پکار تھی ـــــ

نظامِ مصطفیٰ کوئی معمولی انقلاب نہیں ، ایک عظیم انقلاب ہے ـــــ دلوں کا انقلاب ، روحوں کا انقلاب ، نظروں کا انقلاب ، جہانِ آرزو کا انقلاب ـــــ یہ رحمت کی دھرتی بھی ہے ، رحمت کی برکھا بھی ہے ـــــ یہ سراسر رحمت ہی رحمت ہے ؎

یہ جبر و قہر نہیں ہے یہ عشق و مستی ہے
کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہانبانی

ہاں رحمت کی ٹھنڈک دل میں محسُوس کرو ، اُس کے اشاروں پہ چلو جس کے اشاروں پہ شجر و حجر چلے ـــــ کوئی دیوانہ کہتا ہے ، کہنے دو ، تم دیوانے ہو جاؤ ـــــ اپنے ہر قول و عمل میں سُنّت کی چمک پیدا کرو ـــــ اندھیروں میں اُجالے بن جاؤ ـــــ

روحِ کائنات تمہارے انقلاب کی منتظر ہے ؎

زندگی را سوز و ساز از نارِ تست　　　عالمِ نو آفریدن کارِ تست

اگر ایسا نہ ہوگا تو دل ویران ہو جائیں گے، نظریں اُجڑ جائیں گی ـــــ مظلوم کے لئے ہمدردی نہ رہے گی، مجرم کے ہمدرد بن جاؤ گے ـــــ دل میں نیکی گھر کر جائے تو آنکھ مظلوم پر ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتی اور بدی گھر کر جائے تو مجرم کو سزا دیتے نہیں دیکھ سکتی ـــــ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دلوں میں نیکیوں کو بسایا، بدیوں کو نکالا ـــــ ایک ایسا انقلاب برپا کیا جو چشمِ عالم نے کبھی نہ دیکھا تھا ـــــ آؤ سب مل کر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو پورا کریں ـــــ اندر کی دنیا بدلیں، باہر کی دنیا بدلیں ـــــ

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

ہم میں سے کچھ دامنِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گریزاں معلوم ہوتے ہیں ـــــ شاید وہ یہ سمجھتے ہیں کہ رسول علیہ التحیۃ والتسلیم کو ہماری ضرورت ہے، نہیں نہیں، نہ خدا کو ہماری ضرورت نہ رسولِ کریم علیہ السلام کو ہماری ضرورت ـــــ ایک غنی، دوسرا قاسم اُن کو ہماری ضرورت ہے تو صرف ہمارے لئے، اپنے لئے نہیں ـــــ غور کرو، پھر غور کرو، خوب غور کرو، شفقت و محبّت کی اس "چاہ" کو سمجھو ـــــ کوئی ہے جو ہمارے لئے ہم کو چاہے؟ ـــــ سارے عالم میں ڈھونڈو گے، ایسا رحیم و کریم نہ ملے گا ـــــ اللہ اکبر! وہ ہمارا دین و دنیا بنانے آئے اور ہم ہیں کہ اس کو بگاڑنے پر تُلے ہوئے ہیں ـــــ کیا دنیا میں کوئی ایسا ناداں ہے کہ کوئی اُس کا بھلا چاہے اور وہ خود اپنا بُرا چاہے؟ ـــــ آؤ آؤ نادانیوں کے اندھیروں سے نکل کر دانائیوں کے اُجالے میں چلیں ؎

مژدہ اے دل کہ بہر استقبال
رحمتش بیقرار می آید

برسوں گذر گئے ہم منزل حکمت کی طرف ذوق و شوق سے بڑھے تھے ـــــ ایک

قائد نے ایک جھنڈے تلے ایک مقصد کے لئے جمع کیا تھا ــــــ ان آنکھوں نے اُسی قائد کو مجمعِ عام میں مسجد شاہجہانی کے سامنے قرآن کریم بلند کرتے دیکھا ہے اور یہ اعلان کرتے سُنا ہے کہ مستقبل کی حکومت قرآنی حکومت ہوگی ــــــ یعنی مستقبل کا نظام، نظامِ مصطفےٰ ہوگا ــــــ آج ہر آنکھ اُسی قرآن کے لئے ترس رہی ہے جس کو قائد نے بلند کیا تھا ــــــ جو قائد کی تمنّا تھا ــــــ جو ملّت کی آرزو تھا ــــــ جو ملّت کی آرزو ہے ــــــ جو انسانیّت کی آرزو ہے ــــــ آؤ آؤ رُوحِ قرآں کو اپنی روح میں بسالو اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلوب و مقصود بن جاؤ!

چوں مسلماناں اگر داری جگر ‏ ‏ ‏ در ضمیرِ خویش و در قرآں نگر
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست ‏ ‏ ‏ عصرہا پیچیدہ در آفاتِ اوست
بندۂ مومن ز آیاتِ خدا است ‏ ‏ ‏ ہر جہاں اندر براو چوں قبا است

چوں کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآں جہانے دیگرش

مولیٰ تعالیٰ فاضل مصنف حضرت مولانا محمد عبد الستار خاں نیازی مدظلہ العالی کی اس تالیفِ لطیف کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے ــــــ پڑھنے والوں کے دلوں میں مقامِ مصطفےٰ کا اُجالا ہو اور عمل میں نظامِ مصطفےٰ کی چمک۔ آمین اللّٰہم آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ
ہٹھی (ضلع تھرپارکر، سندھ)
یکم ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ
۱۳ر نومبر ۱۹۷۷ء

پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا وَمَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ط وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ط (السبا)

تمہید

اس مقالے کا موضوع ہے پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور سرورِ دوجہاں، فخرِ موجودات، خلاصۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ جہاں ہر مسلمان وسیلۂ نجات سمجھتا ہے، وہاں میرے جیسا ایک عامی اس تقریب پر لب کشائی کی ذمہ داری کے احساس سے بھی لرزتا ہے ۔

ادب گاہ ایست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کی حقیقت کا بیان کچھ انہیں لوگوں کو زیب دیتا ہے جو اس تذکرے میں الفاظ کے گورکھ دھندے سے آزاد ہو کر ایمان کی آنکھ سے واقعات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ شہبازانِ معرفت نعت کے میدان میں سبقت رکھتے ہیں تو از رُوئے شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو پہچاننے کی کوشش کرنا

علمائے کرام کا حق ہے۔ مَیں مشائخ عظام اور علمائے کرام کا خادم ہونے کی حیثیت میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں پاتا کہ معرفت کی چاشنی یا شریعت کی روشنی سے پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف میں کچھ کہنے کی جرأت کر سکوں۔ رُوحانیت اور الٰہیات کے زاویہ نگاہ سے مَیں اپنے عجز کا اقرار ہی باعثِ سعادت تصوّر کرتا ہوں ؎

هزار بار بشویم دهن ز مشک و گلاب
هنوز نام تو گفتن کمالِ بے ادبی است

مَیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ حلقہ بگوش غلامِ غلاماں کی حیثیت سے آج اپنی معروضات کو صرف اس دائرے تک محدود رکھوں گا کہ اپنی عقلِ ناقص سے جب عہدِ حاضر کی انسانی مُعاشرت پر نگاہ دوڑاتا ہوں تو موجُودہ دنیا کے تمام مسائل کا حل مجھے کس طرح زندگی کے ہر پہلو میں خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو حتمی قطعی اور آخری حجّت تسلیم کر لینا نظر آتا ہے ؎

بمصطفٰےؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

آغازِ کلام

عہدِ حاضر کا انسان جب مسائل کو اپنی عقل سے جانچنے کا زعم لے کر نکلتا ہے تو اس عقل کی حدود اربعہ کیا ہیں؟ آج کل کے سائنسدانوں کو زعم ہے کہ ہم آبا و اجداد کی طرح صرف آنکھ کی طاقت سے نہیں بلکہ دوربین اور خوردبین لگا کر حقائقِ کائنات کا مُشاہدہ کرتے ہیں۔ ماضی کا انسان صرف کان سے سُنتا تھا، ہمارے گوشِ ہوش کی سماعت ریڈیائی لہروں پر حاوی ہے۔ گذشتہ تہذیبیں صرف قدم قدم چلتی تھیں۔ ہم سپٹنگ سرپٹ دوڑاتے ہیں۔ اس کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ سات ہزار سال کی مُستند تاریخ کے مُطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بشری کمالات نے بعض جزئیات میں ضرور ایک حد تک ترقی کر لی ہے لیکن اس ترقی سے آفرینشِ

کائنات اور غایتِ موجودات کا تو کیا ذکر انسان ابھی تک غیب اور آخرت کی کُنہ تک بھی نہیں پہنچ سکا۔ بیشک انسان کو اب معلوم ہو گیا کہ سُورج زمین کے گرد نہیں گھُومتا، زمین نظامِ شمسی میں گردش کرتی ہے۔ لیکن یہ تو اب بھی پتہ نہ چلا کہ افلاک کے ماوراء کیا ہے، خَلا کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے، نظامِ شمسی کی حرکات کا حاصل کیا ہے اور انسان جس پر یہ تمام اسرارِ کائنات مُنکشف ہو رہے ہیں اس کی منزل کیا ہے اور اس کے تردّدات کی غایتِ اُولیٰ کیا ہے؟

فقط یہی نہیں کہ انسان جب اپنے نفس سے باہر جھانکتا ہے تو اُسے اُفق کے کناروں سے پرے غیب کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک قلزمِ ظلمات دکھائی دیتا ہے، جس کا اور چھور اس کی عقل کو معلوم نہیں بلکہ وہ اپنے نفس کے اندر بھی جھانکتا ہے تو اسے آغاز و انجام ایک پہیلی کی طرح نظر آتا ہے جس کی آخری حقیقت اس کی ظاہر بیں عقل سے پوشیدہ ہے۔ نہ صرف انسان کا عقلی علم، لاعلمی سے شروع ہو کر لاعلمی پر ختم ہو جاتا ہے بلکہ انسانی عزائم کی ابتداء و انتہاء بھی بے خبری سے شروع ہو کر بے خبری پر ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے فرمایا تھا:

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمْ

ترجمہ: انسانی ارادوں کے ٹوٹ جانے سے مجھے پتہ چل گیا ہے کہ اس کائنات پر اصل حکمرانی انسان سے ایک بالاتر ہستی اور طاقت کی ہے۔

نہ صرف یہ عقلِ ناقص اپنی ابتدا و انتہا کے لحاظ سے ناقص ہے بلکہ اس علمِ ناقص کا نشۂ پندار جتنا عرصہ نفس پر حاوی رہتا ہے تب بھی اس سے سوائے تصادم، تضاد اور سعیٔ لاحاصل کے کچھ نہیں نکلتا۔ آسمان پر سپٹنگ (SPUTNIK) سے ایکسپلورر (EXPLORER) لڑ رہا ہے۔ زمین پر سٹالن کو خروشچیف مُوردِ الزام قرار دے رہا ہے۔ ایک مُعاشرتی طبقہ دوسرے مُعاشرتی طبقے سے برسرِ پیکار ہے۔ وطن سے

وطن کی ٹکر ہو رہی ہے۔ جمہوریت سے جمہوریتیں بیزار ہیں۔ غرض دو بادشاہوں کا ایک تخت پر بیٹھنا قرونِ مظلمہ (DARK AGES) میں ایسا ناممکن نہ تھا۔ جتنا فی زمانہ عقل کی عقل سے صُلح ہو جانا محال دکھائی دیتا ہے۔ کیا خوب کہا تھا اکبرالٰہ آبادی مرحوم نے ع

عوض لٹھ کے چلتے ہیں آپس میں ووٹ،

اور حکیم الامّت رحمۃ اللہ علیہ فلسفہ کے طومار سے سرگرداں ہو کر اس نتیجے پر پہنچے تھے ۔

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
خُدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے

نیز فرمایا تھا کہ ۔

حکمت و فلسفہ کرد است گراں خیز مرا
خضرِ من از سرم ایں بارِ گراں پاک انداز

عقل کی حد کا تقاضا عقل کرتی ہے

غرض عقل کے حُدودِ اربعہ کا اگر عقل سے جائزہ لیا جائے تو اس کی سرحدات سے پرے ماورائے عقل کی مملکت صاف دکھائی دیتی ہے۔ اگرچہ اس کے نقوش دھندلے ہیں۔ عقل کی تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ عقل کی اس سرحد پر پہنچ کر اقلیم عقل کے سیّاحوں نے تین راہیں اختیار کی ہیں۔

(۱) ایک قافلہ تو وہ تھا جنہوں نے غیب اور آخرت کی دُھندلاہٹ سے جھنجلا کر عقل کی محدود روشنی سے بھی انکار کر دیا اور لا ادریت کی تاریکی میں کھو گئے۔ انہوں نے کہا

کہ کایا تو چھایا ہے اور یہ کائنات فقط مایا کا جال ہے۔

ع عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

قرآن مجید کی تاریخی اصطلاح میں ایسے حقیقت کو جھٹلانے والوں کا نام منکرین ہے۔ چاہے متشککین ہوں SKEPTICS یا خیالیین ہوں یا IDEALISTS

(۲) دوسرے گروہ نے کہا کہ عقل سے پرے جب کچھ صاف دکھائی نہیں دیتا تو عقل کیوں نہ اکتفا کریں۔ قرآنی اصطلاح میں ہر زمانے اور ساری کائنات پر حاوی عقل بجائے مختلف زمانوں اور مختلف قوموں کی چھوٹی چھوٹی اور عارضی عقول کو اس طرح برحق مان لینے والوں کا نام مشرکین ہے۔ چاہے وہ MATERIALISTS ہوں یا PRAGMATICS یعنی مادیت پرست ہوں یا افادیت پرست

(انہیں مصیبت یہ پیش آئی کہ جب عقل پر توجہ مرکوز کی جائے تو اس کی وسعتیں ناگہاں پھیلنے لگتی ہیں، جو کل عقل تھی وہ آج بے عقلی دکھائی دیتی ہے اور پرسوں حماقت سے بھی زیادہ ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔ اس لئے ماورائے عقل کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے سے عقل کی آنکھیں چندھیانے لگتی ہیں تو ماورائے عقل کی جانب پیٹھ موڑنے سے بھی عقل کے پاؤں تلے کی زمین مسلسل سرکتی جاتی ہے۔ لہٰذا جہاں عقل سے روگردانی کرنے والے اور سراسر عقل پر انحصار کرنے والے دونوں قافلے مسافتِ ہستی میں سرگرداں اور گمراہ ہو گئے (قرآنی اصطلاح میں انکارِ حقیقت یا شرک کا ارتکاب کر کے زندگی کی اصلیت سے یوں رُوگرداں رہنے والوں کا نام کفار ہے) وہاں تیسری جماعت ان لوگوں کی تھی، جن پر انسانیت کے ارتقاء کا ہمیشہ سے انحصار رہا ہے اور ہمیشہ انحصار رہے گا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے عقل کا اقرار کرتے ہوئے بھی غیب اور آخرت کا انکار نہ کیا۔ قرآنی اصطلاح میں یہ جماعتِ مومنین ہے جن کا نعرہ ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ ؎

عقل است چراغ تو در رہگذرے نِہ
عشق است ایاغِ تو با بندۂ محرم نِہ

اور:

؎ من بندۂ آزادم عشق است امامِ من
عشق است امامِ من عقل است غلامِ من

اس جماعت کی رہنمائی ہر خطۂ زمین اور ہر عہدِ تاریخ میں ان برگزیدہ شخصیتوں نے کی جو عقل اور ماورائے عقل کی سرحد پر روشنی کے مینار کی طرح سربلند اور منوّر کھڑی دکھائی دیتی ہیں۔ یہی وہ شخصیتیں ہیں جو اپنے اپنے دَور میں عقل کے بشری تقاضے پُورے کرتے ہوئے غیب اور آخرت سے ہدایت کی وحی کا مُہبط قرار پاتی رہیں۔

انبیاء علیہم السّلام کا تاریخی اور عقلی منصب

موجودہ زمانے کا انسان نبی کے مفہوم کو سمجھنے میں بسا اوقات یُوں ٹھوکر کھاجاتا ہے کہ مُسلمانوں کے مُعاشرے کی اس بُنیادی اصطلاح کو بیان کرنے کے لئے رائج الوقت غیر مسلموں کی زبانوں سے ایسے الفاظ مُستعار لئے جاچکے ہیں جن کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہم السلام کے متعلق غیر مسلموں کے تعصّبات اور توہمات کا ایک عنصر بھی ان الفاظ کے معنوں میں شامل ہوگیا ہے۔ یورپین زبانوں کا لفظ پرافٹ (PROPHET) اس یُونانی مَصدر سے مُشتق ہے جو غالباً یہود کے دورِ زوال میں سُریانی زبان سے مستعار لیا گیا تھا اور جس کا بنیادی تصوّر اس مفہوم کے گرد گھومتا ہے کہ پیغمبر کبھی کبھی آنے والے زمانے کی باتیں بھی قبل از وقت بتادینا اپنے حقیقی مِشن کی تکمیل کے لئے مُناسب سمجھتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ عہدِ جاہلیّت میں عرب کے اندر بھی کاہن کی اصطلاح کے ماتحت اس قسم کا ایک مفہوم موجود تھا جس کا تصوّر پیشین گوئی اور دانشمندانہ اقوال تک محدود تھا۔ قرآن مجید نے وضاحت سے اس غلط توقع کی تردید کردی ہے:-

وَقَالُوا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ
وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

ترجمہ: اور یہ (منکرینِ حق) یوں کہتے ہیں کہ اس پر اپنے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اترتیں۔ (اے پیغمبرِ اسلام) تم فرماؤ کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں اور میں تو یہی صاف ڈر سنانے والا ہوں۔

پیغمبر کا منصب یہ نہیں کہ وہ جوتشیوں کی مانند مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی بابت ٹیوے (GUESSES) لگاتا رہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۙ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الحاقہ)

ترجمہ: تو مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے بیشک یہ قرآن ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں اور وہ کسی شاعر کی بات نہیں۔ کتنا کم یقین رکھتے ہو۔ اور نہ کسی کاہن کی بات۔ کتنا کم دھیان کرتے ہو۔ اس نے اُتارا ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔

عربی لفظ نبی جو مذکورہ بالا قدیم سُریانی مصدر سے ہی مشتق ہے لُغت کے اعتبار سے خبر دینے والے کا تصوّر پیش کرتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے یہ خبر دینے والا کس چیز کی خبر دیتا ہے یہ تو ہم جانتے ہیں کہ اس کی چیتونی (انبار) خوشخبری پر بھی دلالت کرتی ہے اور ڈراؤنی بھی ہوتی ہے۔ لیکن امید و بیم تو اس پیغام کے اثر سے تعلق رکھتے ہیں۔ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا بنیادی مفہوم کیا ہے۔ اس پیغام کا بنیادی مقصد ہونی اور اَن ہونی، بُرے اور بھلے، حرام اور حلال کی تمیز سکھانا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ؗ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ

عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ (الاعراف)

ترجمہ : وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں۔ اس رسول کی جو نبی اُمّی ہے اور جسے اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں وہ انہیں نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور بُرے کاموں سے منع کرتا ہے، وہ حلال کرتا ہے ان کیلئے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے اُن پر ناپاک چیزیں اور اُتارتا ہے ان سے بوجھ ان کے اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں۔ سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کا ساتھ دیا اور اس کی مدد کی اور اتباع کی اس نور کی جو اس کے ساتھ اترا، پس وہی لوگ کامیاب ہیں۔

اللہ کے پیغمبر ہر زمانے میں انسان کو یہ سکھاتے ہیں کہ غیب اور آخرت کی وہ کونسی حدود ہیں جن کے اندر انسان اپنے شعور اور عقل کے استعمال سے مفید نتائج مرتب کر سکتا ہے۔ عقل کا موضوع تو شاید اس کائنات میں انسان کے بغیر بھی قائم رہ سکتا ہے۔ لیکن خود عقل اپنے وجُود کے لئے انسانی ذہن کی مُحتاج ہے۔ انسانی ذہن کی نشوو نما اور بلوغت اسی صُورت میں ممکن ہے جب انسانی معاشرہ ایک صحت مندانہ نہج پر موجود ہو۔ انسان حیوانِ مدنی الطبع ہے۔ بغیر دوسرے کے نہ وہ اپنی فطری حالت میں زندہ رہ سکتا ہے اور نہ پروان چڑھ سکتا ہے۔ جس طرح معاشرے کو جنم دینے اور قائم رکھنے کے لئے اقل قلیل مادّی ضروریات لابدی ہیں، اسی طرح افراد کی شخصیتوں میں بعض تعمیری عناصر کے بغیر سوسائٹی قائم نہیں رہ سکتی۔ ممکن ہے سُورج کی کھولتی ہوئی حرارت میں کسی اور نوع کی مخلوق زندہ رہ سکتی ہو۔ لیکن وہاں انسانی جامے میں انسان آباد نہیں ہو سکتا۔ اس طرح جن انسانوں کے ذہن سے تعمیری میلانات اور فطری احساسات بالکل مٹ جائیں ان کی

زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ جس طرح افراد میں دیوانگی کا غلبہ ایک حد سے بڑھ جائے تو ان کی موت واقع ہو جاتی ہے اور جس طرح خاندان میں مُروّت باہمی نہ رہے تو خاندان بکھر جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی مُعاشرے کے اندر بُرے اور بھلے کی تمیز بالکل ختم ہو جائے تو قومیں منتشر ہو جاتی ہیں اور امتیں مٹ جاتی ہیں۔

نبی اپنی اُمّت کی مساعی کا میدان ظاہر اور غیب اور موجود و آخرت کی حدود کے اندر مُعیّن کرتا ہے۔ تاریخ کی ابتدا میں ہم دیکھتے ہیں کہ دو ہزار سال قبل مسیح کے لگ بھگ جبکہ مصر میں صنائع اور حرفت کی ابتدا ہو چکی تھی۔ جس نے آگے جا کر یُونانی حکمت اور یونانی عُلوم و فنون کی بنیادیں رکھی تھی اور دوسری جانب مشرقِ وسطیٰ میں وہ بلدیاتی ریاستیں (CITY STATES) قائم ہو چکی تھیں جنہوں نے یُونان کی سٹی سٹیٹس (CITY STATES) کے لئے نمونہ بننا تھا تو اس وقت انسان کے ذہن میں یہ خلجان پیدا ہو رہا تھا کہ کیا شجر و حجر اور شمس و قمر خود انسان کی طرح ایک ایسی شخصیت رکھتے ہیں جس کے ساتھ شعوری ربط پیدا کر کے اسے راضی کیا جا سکتا ہے یا یہ وہ ادنیٰ طاقتیں ہیں جنہیں اشرف المخلوقات نے اظہارِ عبودیّت و جُستجوئے رضامندی کے بجائے اپنی استعداد اور قوّت سے مُسخّر کرنا ہے۔

قرآن مجید شاہد ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اُمّت کو یہ تعلیم دی کہ ستارے، چاند یا سُورج انسان کی تقدیر کے مالک نہیں۔

قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

فطری قوتوں کو تصوّر کی آنکھ سے دیکھ کر انسان نے ان کے جو مجسّمے بُت یا نقشے ڈھال لئے ہیں، وہ اس پر حاکم نہیں۔ سلطنتوں کے وہ بادشاہ جو نمرود و شدّاد کی طرح حُکم چلاتے ہیں، یہ بھی عام انسانوں سے بالاتر نہیں۔ بلکہ کائنات کا رب تو وہ اَن دیکھی ہستی اور طاقت ہے جو کائنات اور کائنات کی ہر شے کو اپنی اَن دیکھی قوتوں اور غیبی ترکیبوں

سے وجود میں لاتا ہے۔ انسان کی جبین عبودیّت صرف اسی کی بارگاہ میں جھکنی چاہیئے۔ اس ایک سجدے سے وہ قبلہ تعمیر ہو گیا، جس نے سابقہ شعوبی عصبیّتوں کو مٹا کر ایک نئی ملّت پیدا کر دی ؎

بُتانِ شعوب و قبائل کو توڑا رسومِ کہن کے سلاسل کو توڑا
یہی دینِ محکم یہی فتح باب کہ دُنیا میں توحید ہو بے حجاب

اکثر مؤرّخ بھول جاتے ہیں کہ صدیوں بعد یونان میں جو حُرّیت، حکمت، سیاست، اور فنون کے نمونے پیدا ہوئے، اگر انہوں نے مصر کے سائنس (سائنٹیفک علوم) اور صنعت سے ورثہ حاصل کیا اور مشرقِ وُسطیٰ کی بلدیاتی ریاستوں کے نمونے کو سامنے رکھا۔ تو ان سب سے زیادہ ملّتِ ابراہیمی کی روشنی تھی جس نے ظُلمت کدۂ یونان میں سحر کی ابتدا کی۔

قریباً ایک ہزار سال بعد جب فرعون کی سیاسی قوت اور قارون کی اقتصادی طاقت نے انسانیّت کے مُتمدّن گوشے کو اپنے پنجۂ استبداد میں جکڑ رکھا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے احکامِ عشرہ کی تختیاں ہیکل بیت المقدس میں سجا کر اپنی اُمّت کو یہ پیغام دیا کہ قانون خالی جبر یا دولت سے استخراج نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کا سرچشمہ انسانی مُعاشرے کی ہدایت ہے۔ لکھے ہوئے قانون اور معاشرتی فلاح کا نمونہ یہی تھا جس کا چربہ صدیوں بعد رومن لاء کی تختیوں پر اُتارا گیا۔

جب انسان قانون کی شوکت کو قانونی حاکموں کی غیر فطری بالادستی کی آڑ بنانے لگا اور عسکری قوت لے کر مُعاشرے کی حفاظت کے بجائے رعایا سے استحصال کا برتاؤ کیا تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنی اُمّت کو یہ تعلیم دی کہ انسان صرف موجودہ قوت یا اجتماعی شوکت کے بل پر صحّت مند معاشرہ قائم نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کے سامنے موجودہ سے بہتر ایک مُستقبل کا نصبُ العین بھی ہونا چاہیئے۔ آسمانی بادشاہت کا یہی آئیڈیل تھا۔ جس نے کئی صدیوں تک زمین کی سلطنت کو بھی تہذیب کی نعمتوں، تمدّن کی ترقیوں اور ثقافت

کی برکتوں سے مالا مال کیا۔

غرض عقلِ انسانی نے جب کبھی اپنی جلوہ آرائی کا سامان پیدا کیا تو اس کے مُظاہرے کے لئے میدان قبل ازیں پیغمبرانہ تعلیمات سے مُہیّا ہو چکا تھا۔ عقل کی کشتی اپنی سُبک روی کا تماشا تبھی دکھا سکتی ہے، جب مُعاشرہ غیبی طاقتوں کے ساتھ سازگاری پیدا کر کے وہ ہموار سطح فراہم کر لیتا ہے جس پر اس کشتی کو چلنا ہے اور آخرت کی منزل کی جستجو اس کشتی کے لئے ایک روشنی کا مینار تعمیر کر چکتی ہے۔ ورنہ ممکنات کے اتھاہ سمندر کی حد بندی اگر شریعت کے ساحل سے نہ ہو چکی ہو اور آخرت کا کوئی نقشہ کسی منزل کا تعیّن نہ کر چکا ہو، تو عقل بے چاری اس استدلال کی طرح ٹامک ٹوئیاں مارتی اور حیران و پریشان رہ جاتی ہے۔ جس کا کبریٰ مجہول ہو، صُغریٰ نامعلوم ہو اور نتیجہ ظاہر ہے کہ سوائے لاطائل ہونے کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

مؤرخین نے عقل کی حدود اربعہ کے قیام کے لئے اقوام کے ارتقا اور تہذیبوں کے نشو و نما کا سہارا بھی لیا ہے۔ لیکن وہ یہ واضح نہیں کر سکتے کہ قوم کو کیا چیز قوم بناتی ہے اور تہذیب کو کونسی قوت تہذیب کے درجے تک پہنچاتی ہے، قوم اور تہذیب دونوں کا تصوّر معاشرے کے تصوّر کے بغیر محال ہے اور معاشرہ صرف اسی اُمّت کے اندر ممکن ہے جو غیب اور موجود اور حاضر و آخرت کی حُدود کا تعیّن کر چکی ہو۔ جو انسان یہ نہیں جانتا کہ کہ وہ جو کچھ نہیں جانتا اس کے ساتھ اس کا کیا تعلّق ہے جو کچھ کہ وہ جانتا ہے اور جسے یہ معلوم نہیں کہ جو کچھ وہ جانتا ہے اس کا مصرف، مطلب اور غایت کیا ہے۔ ایسا انسان حیوانیّت کی اس سطح پر جس کے ریوڑ دوسری طاقتیں ہانکتی ہیں۔ نہ صرف غیب اور آخرت کے تصوّرات کا مجرد تعیّن مُعاشرے کے قیام کی پہلی شرط ہے، بلکہ تصوّرات جو کچھ بھی ہوں تمام مُعاشرے میں ان کی یکسانیّت بھی شرط ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسی یکسانیّت کا پیغام ہمیشہ کوئی پیغمبر ہی لایا کرتا ہے۔ چاہے اس پیغام کی یاد اس پیغامبر کی اُمّت کی آئندہ

پشتیں فراموش ہی کیوں نہ کر چکی ہوں۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ مؤرخین اور عمرانی محققین نے معاشرے کی تشکیل کے اجزا کو غیب و آخرت اور حرام و حلال کی اصطلاحات میں بیان کرنے کے بجائے نظریۂ ارتقاء (EVOLUTION THEORY) کا سہارا بھی لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جسطرح موسم برسات میں زمین سے گھاس اُگتی ہے اور فصل پک جانے پر پھل بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں اور جس طرح موسم بہار میں پرندے خود بخود چہچہانے لگتے ہیں اسی طرح معاشرہ بھی بغیر احساسِ خود شعوری کے پروان چڑھ جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ جمادات کا ارتقاء نباتات میں دیکھنے والے اور نباتات کا ارتقاء حیوانات میں تلاش کرنے والے جب انسان کو تختۂ مشق بناتے ہیں تو اس کی ترقی، کمالات و مقامات کی منزلیں آخرت میں تلاش کرنے کے بجائے اسے تنزل و انحطاط کی راہ دکھا کر اس کے ارتقاء کو تسفل کے مدارج میں ڈھونڈتے ہیں۔ مان لیا کہ برسات میں خودرو گھاس اُگ آتی ہے، لیکن کیاریوں کی چمن بندی تو دستِ مشاطہ کی محتاج رہتی ہے۔ یقیناً پرندے موسم بہار میں خود بخود چہچہانے لگتے ہیں، لیکن طوطی و مینا کو طرزِ تکلم سکھانے کے لئے تو کسی متکلم کی حاجت باقی رہتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انسانی تمدن کا کھوج، ہم بن مانسوں اور بندروں کے جبلی میلانات اور وحشیوں کی شہوات میں، تلاش کریں اور ملائکہ کی وساطت سے نازل ہونے والی وحی سے غفلت کی آنکھ بند کر لیں۔

اصول سے قطع نظر تفصیل میں دیکھئے تو مذہب سے ہٹ کر تمدن کی اساس سوائے نسل یا وطن کے اور کہیں مُعین نہیں کی جا سکتی۔ آج رُوئے زمین پر تمام نسلی ریاستیں مٹ چکی ہیں اور جو ایک نسلی ریاست فنا نہیں ہوئی، اس کی نسل کی بُنیاد دین نے محفوظ کر رکھی ہے۔ اگرچہ اس دین کو مسخ کر دیا گیا ہے۔ وطنی ریاستوں کی تاریخ شاہد ہے کہ اَوطان کی حفاظت کے لئے اقوام کو وطن پرستی کی عصبیتیں ترک کر کے بین الاقوامی جمگھٹوں کی تلاش

ہے - یہ بین الاقوامی ٹولیاں جب ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے مفاخرے کی زبان کھولتی ہیں، تو اپنی وطن پرستی کو گناہ کی طرح چھپا کر اس پر انسان دوستی کا ملمع چڑھاتی ہیں - اس انسان دوستی کے پیچھے انسان کا تصور تلاش کیا جائے، تو پھر الہامی کتابوں سے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں حتیٰ کہ مسٹر خروشچیف نے بھی ایک حالیہ تقریر میں انجیل کے حوالے پیش کئے کہ یہ سرمایہ دار تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فقر کی نسبت قارون کی زر پرستی سے زیادہ مشابہ ہیں -

موضوع یہ تھا کہ انسانی کمالات کا جوہر پیغمبرانہ تعلیمات کے دائرے کے اندر محدود ہو کر ہی کھلتا ہے چاہے جوہر دکھانے والے زبان سے اُن تعلیمات کا جزوی انکار ہی کیوں نہ کر رہے ہوں - رسالت کا یہ مفہوم تعین کرنے کے بعد ہمارے لئے آسان ہو گیا ہے کہ ہم عہدِ حاضر کے انسان کی مشکلات کا حل پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے نسبت قائم کرنے میں تلاش کریں -

پیغمبروں کے مابین تفریق نہیں لیکن فضیلت ہے

انسان کے عہدِ طفولیت میں مختلف انسانی معاشروں کو اسی طرح قدم قدم پر فطرت کے سہارے اور امداد کی ضرورت تھی جس طرح ایک طفلِ شیر خوار اماں اور انا کا محتاج ہوتا ہے جب گھٹنوں کے بل چلنے والا بچہ قدم قدم چلنے لگا اور پھر رفتہ رفتہ بلوغت کی عمر کو پہنچ گیا تو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل وہ وقت بھی آ گیا، جب کائنات کی ترقی اُمتوں کے بجائے ایک اُمت اور اجتماعی کوششوں کے ساتھ ساتھ انفرادی فضیلتوں کے سپرد کر دی جائے - یہی وہ مرحلہ تھا جہاں دوسری ملتوں پہ بنی اسرائیل کے یہودا (JAHOVA) کی فضیلت کے بجائے اللہ کی توحید نے تمام باطل معبودوں کو اس طرح ملیا میٹ کر دیا کہ اب روئے زمین پر الفاظ تو شاید مختلف باقی ہوں، لیکن خدا کے اقرار سے کسی کو مفر نہیں - تمام قدیم شریعتیں منسوخ

کر کے ایک شریعت نے دین کی تکمیل کر دی۔ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" اور "وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ" میں قرآن کریم نے اس جانب واضح اشارے فرمائے ہیں

حیات بعد ممات کے مختلف اور اُلجھے ہوئے تصوّرات کے بجائے معاد اور آخرت کا ایک ایسا تصوّر سامنے آگیا جس نے زندگی اور موت کو ایک ہی تسلسل کی لڑی میں پرو دیا۔ اِنَّ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ اور خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا سے واضح ہے اور اس میں اس حقیقت کو نہایت ہی دلنشیں پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ پس یوں اُخروی فضیلتیں دُنیاوی برکتوں کے حصول کا وسیلہ بن گئیں۔ تب بنی نوعِ انسان کو پہلی مرتبہ "یٰاَیُّھَا النَّاسُ" کے خطاب سے نوازا گیا اور "اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" کی نعمت تمام کر کے ربّ العٰلمین کی جانب سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کُل کائنات کی رہنمائی کا منصب عطا ہوا۔

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا

ترجمہ: تمام نوعِ انسانی کو کہہ دو کہ میں سب کی طرف رسُول ہوں۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا

ترجمہ: اور آپ کو ہم نے تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔

یَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ شَھِیْدًا عَلَیْھِمْ مِّنْ اَنْفُسِھِمْ وَجِئْنَا بِکَ شَھِیْدًا عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ

ترجمہ: جس دن ہم ہر اُمّت میں سے ان کے اندر ہی سے گواہ کھڑے کریں گے اور تمہیں اے رسول ان تمام اقوام و اُمم اور ان کے شاہدین پر گواہ کھڑا

کریں گے، اس لئے کہ ہم نے تم پر وہ کتاب اُتاری ہے جو ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی ہے اور ان پر جو اس کتاب (احکامِ الٰہی) کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں، ان کے لئے ہدایت، رحمت اور خوش خبری ہے"۔

پہلی مرتبہ حکومت کا ایک ایسا نظریہ پیش ہوا جس میں ابیض و اسود اور احمر و اصفر سب کے لئے اہل الرائے کا منصب حاصل کرنے کا معیار تقویٰ طے پا گیا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ اور خطبۂ حجۃ الوداع میں مزید وضاحت فرماتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا :-

یا ایہا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی العجمی ولا لعجمی علی العربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بدین والتقویٰ ۔

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم ! چمن زادیم و از یک شاخساریم !
تمیز رنگ و بُو بر ما حرام است کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

وحی کی راہ آئندہ کے لئے مسدود کر کے علم اور تحقیق کی ایسی شاہراہیں کھول دی گئیں جن پر چل کر ظاہر اور غیب، موجود اور مقصود، حاضر اور آخرت کے سنگم کو پُل صراط کی طرح عُبور کرنا ہر طالب کے لئے طریقۂ سُلوک کی مانند ممکن ہو گیا۔

پیغمبر کی سُنّت سے اجماعِ اُمّت کا رشتہ

عقل اور ماورائے عقل کے مابین

جو حجاب حائل تھا وہ معراج والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث " اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ " سے دُور ہو گیا، لیکن عقل پر ماورائے عقل کے تمام راستے کُھل جانے کے ساتھ یہ شرط عائد رہی کہ تمام راستے ایک دروازے سے ہو کر گذریں گے جس کا نام توحید ہے۔ علم جو کچھ جاننا چاہے جان سکتا ہے، فن جو کچھ بنانا چاہے اور جو کچھ حاصل کرنا چاہے حاصل

کر سکتا ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جان پہچان میں یہ امر ملحوظ رہے کہ سب جانچ پڑتال کی اصلیّت ایک ربّ کی محتاج ہے۔ اگر علم نے یکسانیت اور یک جہتی کا اسلوب ترک کر دیا تو ایسا علم متضاد اور منتشر ہو کر باطل ہو جائے گا۔ اگر کسی فرد نے اپنی مختلف معلومات کو ایک توحید پر مرتکز نہ کیا تو اس کی شخصیت کے پرزے پرزے ہو کر اس کے اعمال رائیگاں ہو جائیں گے۔ جہاں علم کے لئے تمام راستے کھول کر ان کو توحید کے دروازے سے گزرنا لازمی قرار پایا۔ وہاں اس دروازے کی کلید اقرارِ رسالتِ خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائی۔ انسان ضعیف البنیان کو کائنات کے تمام اسرار و رموز سے دوچار ہونے کی اجازت اس شرط پر ملی ہے کہ ظاہر پر غیب کے دریچے کھول دینے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کا دامن کسی حالت میں ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اگر اُمّت نے اس سُنّت کا دامن تھام لیا تو پھر اس سُنّت کا اجماع، سُنّتِ سلف صالحین کا منصب حاصل کرلے گا اور اگر فرد کے اجتہاد نے اتّباعِ سلف صالحین، اجماعِ اُمّت اور سنّت رسُول کی پیروی میں کامیابی حاصل کرلی تو اس انفرادی اجتہاد کے لئے اہل الرائے کے اجماع کے مقام سے گزر کر خود اجماعِ اُمّت کا مقام حاصِل کر لینے کی راہ بھی کُھلی ہے۔ ؎

وہ دانائے سُبل، ختم الرسل، مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادئ سینا۔
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فُرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ!

اور عقیدۂ خاتمیّت کے صدقے اُمّت کو مقامِ خویش سے یُوں آگاہ کر دیا گیا ہے ؎

پس خُدا بر ما شریعت ختم کرد ۔۔۔ بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفلِ ایّام را ۔۔۔ او رُسل را ختم و ما اقوام را

عالمی مسائل اور پیغمبر عالم

آج روئے زمین کی انسانی آبادیوں پر نگاہ دوڑائی جائے تو تین بنیادی مسائل نے ہر جگہ انسان کو لاچار، مضمحل، پریشان اور دکھی بنا رکھا ہے۔

پہلا مسئلہ اخوتِ انسانی کا ہے۔ آج انسان کی ترقی کا راستہ بھوتوں، چڑیلوں، بدروحوں درندوں اور سانپوں نے نہیں روک رکھا۔ بلکہ آج انسان کی ترقی اور حریت کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ پلید انسان ہیں جنہوں نے ان تمام بدارواح اور خبیث قوتوں کی خصلتیں اپنا لینے کی قسم کھا رکھی ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ انسان کا سہارا انسان بنتا، انسان کی رہنمائی انسان کرتا، انسان کا ہاتھ انسان بٹاتا اور انسان کی مشکلات کو انسان حل کرتا۔ لیکن آج انسان کو سب سے بڑی فکر ہے تو انسان پر ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، زہریلی گیس اور زہریلے جراثیم برسانے کی۔ اگر انسان قمر و مریخ کا عزم کرتا ہے تو افلاک سے رحمتیں حاصل کرنے کے لئے نہیں، بلکہ بنی نوع انسان پر جنگ کے مکروہ دیوتا کے ساتھ سازش کر کے ہلاکت و مصیبت اور آگ برسانے کی خاطر۔ یہ صورتِ حال ان منافقین کی مساعی سے کبھی اصلاح پذیر نہیں ہو گی، جو جمعیت اقوام بناتے ہیں تو کمزور کا گھر لوٹ لیتے ہیں طاقتور کی خونخواری کی تسکین کی غرض سے، اور تو یو۔این۔او (U.N.O.) بناتے ہیں تو کشمیر اور فلسطین کی قسمت سے کھیلنے کے واسطے، جو جنیوا میں اکٹھے ہوتے ہیں تو مشرقِ وسطیٰ کی بندر بانٹ کی نیت سے اور جو دول کبیر کی مجلس کا اہتمام کرتے ہیں تو مللِ صغیر کو اپنا نخچیر بنائے رکھنے کی خاطر ؎

در جنیوا چیست غیر از مکر و فن ❁ صیدِ تو ایں میش و آں نخچیرِ من!

اور

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے ❁ کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اسی سے ❁ اور قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اسی سے

انسانی اخوت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تمام انسانوں کے مابین کوئی

بنیادی قدرِ مشترک دریافت نہ کرلی جائے۔ انسانی معاشروں کے مابین کوئی بنیادی قدرِ مشترک اس وقت تک دریافت نہیں ہوسکتی جبتک انسان ایک پیدا کرنے والے، ایک پالنے والے اور ایک جان قبض کرنے والے کی توحید پر متفق نہیں ہوجاتے۔ نظریاتی توحید اس وقت تک قانون اور شریعت کی توحید پر منتج نہیں ہوسکتی جبتک کہ توحید کا سبق آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے حاصل نہ کرلیا جائے۔

دل بہ محبوبِ حجازی بستہ ایم   زیں جہت با یکدگر پیوستہ ایم

اخوتِ انسانی کے بعد آج انسانیت کو جو دوسری حاجت لاحق ہے، وہ جابرانہ اور مستبدانہ حکومت کی اصلاح ہے۔ انسانوں نے اپنی اپنی کمائی حسبِ توفیق ٹیکس ادا کرکے حکومت کا خزانہ اس لئے بنایا تھا کہ محتاجوں کی حاجت روائی ہوسکے اور اجتماعی ضروریات کی کفالت مشترکہ جدوجہد سے ہوجائے۔ انسان نے اپنی حریت سے چند جگر کی بوٹیاں نوچ کر حکومت کو اس لئے اقتدار سونپا تھا کہ فرد کے ناموس اور وقار کا قرار واقعی تحفظ ہوسکے۔ لیکن آج امریکہ ہو یا روس، جاپان ہو یا چین حکومتیں انسان کے سر پر سندباد جہازی کے پیرِ تسمہ پا کی مانند اس طرح مسلّط ہوئی ہیں کہ غریب کو دوڑا دوڑا کر ہلکان کردیا ہے۔ خود "کدوئے اقتدار" سے پی پی کر مست ہوجاتے ہیں۔ غریب سندباد کو لقمۂ حلال بھی حلق سے اتارنے کی مہلت نہیں ملتی۔ اس مرض کا تدارک بھی کسی ایک "پیرِ اقتدار" کی گدی پر کسی دوسرے "پیرِ اقتدار" کو بٹھاکر ممکن نہیں بلکہ اس کا ایک ہی اصولی حل ہے کہ اقتدار کے بتوں کو ان کے سنگھاسن سے اتار کر چکنا چور کردیا جائے۔ انسان پر کسی انسان کو اپنی رائے سے حکم چلانے کا حق نہیں۔ حکومت صرف اللہ ہی کی ہے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی، باقی بُتانِ آذری

اللہ کے اختیارات کی تعمیل آخری رسول کو سونپی گئی تھی۔ اب انسان کے لئے

سوائے رسول کا نائب بن کر کچہری یا دربار میں احکام جاری کرنے کی کوئی وجۂ جواز نہیں ہے

خلافت بر مقامِ گواہی است حرام است آنکہ برما بادشاہی است
ملوکیّت ہمہ مکر است و نیرنگ خلافت حفظِ ناموسِ الٰہی است

انسانیّت کا تیسرا اہم مسئلہ آج کل یہ ہے کہ حُرّیتِ فکر کی تحریک اس لئے چلائی گئی تھی تاکہ انسانوں کو جھوٹے آقاؤں اور ظالم فرماں رواؤں کی اطاعت سے نجات ملے۔ ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ جو چاہے اور جس طرح سے چاہے سوچے، یقین کرے اور عمل کرے۔ لیکن مُصیبت یہ لاحق ہوگئی ہے کہ پابندیٔ افکار سے نجات دلانے کے لئے حُرّیتِ افکار کا جو داعی اُٹھتا ہے۔ نمرود، شدّاد، ہامان و فرعون بن کر بنی نوع انسان پر اپنے ذاتی، طبقاتی، نسلی اور خیالی اوہام و تعصبات مُسلّط کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔

ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہریاری ہے قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

جب لینن اور سٹالن کروڑوں انسانوں کو فنا کے گھاٹ اُتار چکے، جب انقلاب کے نامور ترین علمبردار عُمریں تعذیب و تعزیر اور زنداں و سلاسل میں گزار چکے تو اب کمیونسٹ لیڈروں پر یہ راز کھُلا کہ مارکس کی تعلیمات کا نفاذ متشدّدانہ انقلاب اور قتل و غارت کے بغیر جمہوری طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ امریکی سفّاک جب ریڈ انڈین (RED INDIANS) کی نسلوں کا صفایا کر چکے اور حبشی غلاموں کی کثیر آبادی کو زیر دست بنا چکے تو انہیں غلاموں کو آزاد کرانے، نو آبادیات کو ڈومینین سٹیٹس (DOMINION STATUS) دلانے اور حُرّیت و جمہوریت کے مُتعلق وعظ کرنے میں بڑی راحت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ حُرّیت فلسطین میں امریکہ کے متبنّٰی (اسرائیل) کو ضرر نہ پہنچائے اور الجزائر میں غلاموں کو جب آزادی عطا کی جائے تو وہ رضامندانہ طور پر اپنے آقاؤں کا طوق اپنے گلے میں ڈالنے پر آمادہ رہیں ورنہ جمہوریّت کا غلط استعمال کرنے والوں کے علاج کے لئے کنٹرولڈ اور گائیڈڈ ڈیماکریسی (CONTROLLED AND GUIDED DEMOCRACY)

کا پورا "عطار خانہ" موجود ہے۔

تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال — غارتگری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
ہر گرگ کو ہے برّۂ معصوم کی تلاش

تحریکِ حریتِ فکر کی اس بے راہ روی کا علاج فقط یہ ہے کہ انسان پر کسی دوسرے انسان کے افکار کی پیروی کی پابندی نہیں۔ البتہ تمام اُمّتی انسانِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے افکار کے مطیع رہنے کے پابند ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر دوسرے انسانوں کی حریتِ فکر قائم نہیں رہ سکتی ع — دل بحق بربند و راہِ مصطفےٰ رَو!

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ط (انفال-ع۳)

ترجمہ: اے پیروانِ دعوت ایمانی! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو جب وہ پکارتا ہے۔ تاکہ تمہیں موت کی حالت سے نکال کر زندہ کر دے۔

محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی — خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

انسانیّت کی نجات رحمۃ للعٰلمین کی پیروی میں ہے

مجمل طور پر ہم دیکھ چکے ہیں کہ انسان کے علم کا آغاز ایسے حالات و کوائف کے ماتحت ہوتا ہے جن کی تحقیق و تفتیش وہ ایک حد سے آگے نہیں کر سکتا۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ انسان کا علم ایک ایسی حد پر ختم ہو جاتا ہے جس سے آگے کے مسائل فقط انسانی جستجو سے حل نہیں ہو سکتے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ آغاز و انتہا کی ان دو لاعلمیوں کے مابین انسانی علم کی جو مختصر سی زندگی ہے اس کے دوران میں بھی علم کی بقا انسانی معاشرے کی بقا کی محتاج ہے۔

جب علم سے علم ٹکرا جاتا ہے، جب پیچیدہ مُعاشرتی مسائل کا حل معلومات سے فراہم نہیں ہوتا تو اس وقت انسان کو کائنات کی اس فطری ہدایت کی جانب سے راہنمائی کی حاجت ہوتی ہے جس کا پیغام صرف نبی بتا سکتے ہیں۔ جہاں علم کی حد ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوّت کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ لیکن ابتدائے آفرینش سے علم کی سرحد آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ خالق کائنات کو ایک حد تک پہنچ کر نبوّت کی سرحد ختم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذاتِ اقدس میں کائنات کے لئے ایک ایسا اُسوۂ کاملہ وجُود میں آگیا جس کی کامل رہنمائی سے زندگی کے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر لحاظ سے رضائے الٰہی کے حصُول کا مکمل نمونہ پیش کیا۔ بحیثیت ایک جج، بحیثیت ایک کمانڈر اِن چیف، بحیثیت ایک مُعلّم اخلاق، بحیثیت ایک مُصلح مُعاشرہ، بحیثیت ایک قانون ساز، بحیثیت ایک ماہرِ مُعاشیات و اقتصادیات، غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قائدانہ صلاحیتیں اس مقام پر ہیں کہ انسانیّت اپنی تکمیل کے لئے ہر وقت انہیں ذُروۂ کمال پر دیکھے گی۔ بلکہ مقامِ نبوّت کی وُسعتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انسانی ترقّی کے لئے دامن کھُلا رکھیں گی۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو ‏ ‏ آنکہ از خاکش بروید آرزو!
یا ز نُورِ مصطفےٰ اُو را بہاست ‏ ‏ تا ہنوز اندر تلاش مُصطفےٰ است
خَلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است ‏ ‏ رحمۃ للعلمینی انتہا است

آج امکانی لحاظ سے خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت پر علم کے تمام دروازے اس طرح سے کھُلے ہیں کہ انبیائے بنی اسرائیل جن مسائل کو وحی سے حل کرنے کے محتاج تھے وہ آج عُلمائے اُمّتِ محمّدی اتباعِ سُنّتِ محمدی کے ذریعے حل کر سکتے ہیں۔ لیکن حصُولِ کمالات و ترقّیِ مقامات کے ان لامحدود امکانات میں اپنی ہستی گُم نہ کر بیٹھنے اور ہدایت کے بجائے گمراہی سے بچنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات

کو زندگی کے ہر شعبے میں ہر پہلو سے آخری حجت تسلیم کیا جائے۔ ایسا نہ کیا گیا تو خود علم علم سے ٹکرا جائے گا۔ ایک معاشرتی طبقے سے دوسرے معاشرتی طبقے کا فساد ہو جائے گا۔

ملل عالم اخوت ومساوات محمدی سے بہرہ مند ہونے کے بجائے اس قسم کی ہلاکت آفرین جنگوں، اقتصادی رقابتوں اور معاشرتی تسفل میں گرفتار ہو جائیں گی۔ جن کا مشاہدہ ہم دو عالمگیر جنگوں کے زمانے میں خود اپنی آنکھوں سے کر چکے ہیں اور تیسری عالمگیر جنگ کی تیاریاں ہر لحظہ ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ رحمۃ للعالمین کی غلامی سے انکار کرنے والی قومیں اسی طرح ایک دوسرے کو چیر پھاڑ کر کھا جائیں گی جس طرح بچھو کے بچے خود ماں کے پیٹ کو نوچ کر پیدا ہوتے ہیں اور ان کی اولاد خود ان کے لئے فرشتۂ اجل کا حکم رکھتی ہے۔

یہی احساس تھا جس نے حضرت سید جمال الدین افغانی علیہ الرحمۃ کو اتحادِ عالمِ اسلامی کی مساعی میں عمر صرف کر دینے پر مجبور کیا۔ یہی وہ احساس تھا جس کے ماتحت برصغیر کے مسلمانوں نے تحریکِ خلافت، تحریکِ ہجرت، تحریکِ شہید گنج اور بالآخر تحریکِ پاکستان میں ہر قسم کی قربانیاں دیں۔ یہی وہ احساس تھا جس نے بالآخر مجسم ہو کر آج سے بارہ سال قبل دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کی بنیاد ڈالی۔

سرورِ کونین رحمۃ للعالمین اور عالم غیب وشہود کے لئے یکساں پیغمبری کا پیغام لانے والے نبی کے اس مختصر تذکرے میں نامناسب نہ ہو گا۔ اگر میں اختتام علمی مسائل کے تذکرے کے بعد ان کے عملی پہلوؤں کی مقتضیات پر کروں۔ قیام پاکستان کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ مسلمان بجز خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی، اپنی قومیت اور اپنی سیاست، اپنے وطن اور ترقی کے لئے کسی اور معیار کو قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے۔

آج تک پاکستان میں جو خلل پیدا ہوا اس کی کوئی بنیادی وجہ سوائے اس کے نہ تھی کہ ہم نے اپنے ہر مسئلے میں ہر پہلو سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں کچھ کوتاہی کی۔ پاکستان میں کوئی موجودہ خلل اس وقت تک دور نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم اس کو دور کرنے کے لیے

آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی جانب رجوع نہیں کرتے۔ آئندہ بھی پاکستان کو سوائے اس کے کسی خلل کا اندیشہ نہیں ہو سکتا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں خدانخواستہ کسی کوتاہی کے مرتکب ہوں۔

ایک وقت تھا جب دنیا میں اسلامی مبلغین کے لئے سب سے اہم مسئلہ توحید کی تبلیغ تھی۔ ایک وقت تھا جب نظریۂ توحید اقطاعِ عالم میں تعلیم کر لیا گیا۔ تب مسلمانوں نے توحید کی تبلیغ کے لئے متکلمین پیدا کرنے کے بجائے اِن اَوْلِیَاءُ اللہ اور عارفین کی تربیت کی حاجت زیادہ محسوس کی جو تالیفِ قلوب کے ذریعے مجوس و ہنود کے موحدین کو اسلامی تربیت کے زیور سے آراستہ کرتے رہے۔ پھر ایک ایسا دور بھی تھا جب توحید کی تبلیغ یا شریعت کے نفاذ کے مقابلہ میں مسلمانوں کو جہاد بالسیف، کشور کشائی اور جدال و قتال کی جانب زیادہ توجہ دینی پڑی۔ ایک اور دور بھی تھا جب مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی لیکن شعائر و عبادات اسلامی کی پابندی میں کوتاہی کی جاتی تھی۔ لہٰذا معلمین اسلام کو عقائد و اعمال کی نسبت عبادات پر زیادہ زور دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آج انسانیت اس مرحلے پر پہنچ چکی ہے کہ اسلامی تعلیمات کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کا کوئی متمدن معاشرہ اصولی انکار کر سکے۔ آج عالمگیر غلبۂ اسلام اور تسخیرِ کائنات میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ آخری نبی کی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر یا مسخ کر کے بعض متنبئین (کذابین) امتِ محمدیہ کے قلب سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو زائل نہ بھی کر سکیں تو ضعیف یا محجوب کرنا چاہتے ہیں۔

ختمِ نبوّت

اس لئے چودھویں صدی میں تمام عالمِ اسلام کے اندر ہر محبِّ اسلام کا یہ فرض ہے کہ ختمِ نبوت کے مسئلہ کو تمام دوسرے مسائل پر ترجیح دے۔ اگر ہم ناموسِ ختمِ نبوّت کو محفوظ رکھنے کے ذریعے اپنی بقا کا اہتمام کر لیتے ہیں تو توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قرآن شریف، شریعت کسی اصولِ دین کو ضعف نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن خدانخواستہ مستشرقین یا منافقین اس تعریف کو ہماری

لوحِ قلب سے ذرا بھی اوجھل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ اسلام محمد علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر جو کچھ نازل ہوا اس کی غیر مشروط اتّباع کا نام ہے تو پھر نہ ہمیں ناموسِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، ہمارا ایمان برقرار رکھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ نہ ولائے اہلِ بیت ہماری نجات کے لئے کافی ہو سکتی ہے، نہ ہی قرآن کے اوراق میں ہمارے لئے ہدایت باقی رہ جاتی ہے، نہ ہی مساجد کے محراب و منبر میں کوئی تقدیس باقی رہ جاتی ہے اور نہ ہی اولیاء اللہ اور مشائخ عظام کی نسبتیں جاری رہ جاتی ہیں، نہ ہی علمائے کرام کی تدریس و وعظ میں اثر باقی رہ جاتا ہے، نہیں نہیں صرف یہی نہیں خاکم بدہن اُمّتِ محمدیہ کے تسمیہ اور وجود دونوں پر زد پڑتی ہے، اُمّتِ محمدیہ ملل میں تقسیم ہو جاتی ہے، ملّتیں حکومتوں میں بٹ جاتی ہیں اور حکومتیں گروہوں کی سازشوں کا شکار ہو جاتی ہیں، فقط اتنا ہی نہیں خاندان ملّت سے خارج ہو جاتے ہیں، خود خاندان کے اندر صلہ رحمی قطع رحمی سے مُبدّل ہو جاتی ہے۔ اس لئے اگر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ایک نہیں تو پھر شریعت ایک نہیں، جب شریعت ایک نہیں تو حرام و حلال بھی ایک نہیں، جب حرام و حلال میں یکسانیت نہیں تو باپ بیٹے، ماں بہن، خاوند اور بیوی غرض دُنیا کے سب رشتے اپنی تقدیس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ختمِ نبوّت کا انکار آسمان پر فرشتوں کا انکار ہے، زمین پر قبلہ اور حج کا انکار ہے، سیاست میں مُسلمانوں کے غلبے اور جُدا گانہ وجود کا انکار ہے۔ غرض ختمِ نبوّت سے انکار خود مُسلمان کے مُسلمان ہونے سے انکار ہے، یہاں پہنچ کر زبان گنگ ہو جاتی ہے، قلم ٹوٹ جاتا ہے اور الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے۔

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر ۔۔۔ ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سما اُبھار کر ۔۔۔ اکبر اسی کا ورد تو صدق سے بیشمار کر

صلِّ علیٰ محمدٍ ۔۔۔ صلِّ علیٰ محمدٍ

تعارُف

مولانا عبدالستار خاں نیازی ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں میانوالی میں مجلس اصلاحِ قوم (انجمن اصلاح المسلمین) کی بنیاد رکھی، ۱۹۳۷ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد رکھی، ۱۹۳۸ء میں اس کے صدر ہوئے۔ سنہ مذکور ہی میں ضلع میانوالی میں مسلم لیگ کی ضلعی تنظیم بنائی گئی جس کے صدر نیازی صاحب منتخب ہوئے ۱۹۳۹ء میں نیازی صاحب نے بحیثیت صدر پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن دہلی میں قائد اعظم سے ملاقات کی اور خلافتِ پاکستان اسکیم پیش کی جس پر قائد نے فرمایا:

Your scheme is very hot because it has come out from a boiling heart.

۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان پاس ہونے کے موقع پر لاہور میں "حبیبیہ ہال" اسلامیہ کالج میں خلافت پاکستان کانفرنس منعقد کی۔ اور ایم اے پاس کرنے کے بعد نیازی صاحب نے پاکستان کے لئے انتھک کوشش کی، بحیثیتِ صدر آل انڈیا مجلس اقبال نظریۂ پاکستان کی حمایت کے لئے جلسے کئے، ۱۹۴۱ء میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائد اعظم کی زیر صدارت پاکستان کانفرنس منعقد کی جس میں نیازی صاحب نے قرارداد پیش کی اور قائد اعظم کی ہدایت پر ایک آل پاکستان رورل پروپیگنڈہ کمیٹی قائم کی گئی جس کے ناظم اعلیٰ نیازی صاحب مقرر ہوئے ـــــ ۱۹۴۲ء میں دوبارہ ضلع میانوالی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے اس کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن بھی چن لئے گئے ۱۹۴۳ء میں صوبائی مسلم لیگ کے سیکرٹری بنا دئے گئے۔ ۱۹۴۴ء میں پنجاب

مسلم لیگ کی صوبائی کونسل نے آپ کی تجویز پر یہ قرار داد منظور کی :-

"پاکستان کا آئین شریعت اسلامیہ پر مبنی ہو گا" (اکابر تحریک پاکستان، ص ۱۲۵) ۱۹۴۵ء میں نیازی صاحب نے صوبہ مسلم لیگ کونسل اور آل انڈیا مسلم لیگ کونسل میں پاکستان جنرل سٹاف کا ریزولیشن پیش کیا اور میاں محمد شفیع (م-ش) کے تعاون سے ایک کتاب ملفوظات بابا بلند کوہی زابلستانی بعنوان "پاکستان کیا ہے اور کیسے بنے گا" ؟ لکھی۔

۱۹۴۶ء میں میانوالی سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ایم-ایل-اے منتخب ہوئے اور خضر حکومت کا خوب تعاقب کیا ۔۔۔ ۴۶/۱۹۴۵ء میں مرکزی انجمن نعمانیہ ہند کے سیکرٹری کی حیثیت سے سالانہ جلسوں میں پاکستان کی حمایت میں قرار دادیں منظور کرائیں ۔۔۔ مسلم لیگ کی مشائخ کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔

الغرض مولانا عبدالستار خاں نیازی نے پاکستان کے لئے جو کچھ کیا اس کو قائد اعظم نے قدر کی نگاہ سے دیکھا، اس زمانہ میں صوبہ مسلم لیگ پنجاب کی تنظیم کے سلسلہ میں ان سے مفصل خط و کتابت ہوئی۔ کم و بیش بیس خطوط جنمیں بعض بصیغہ راز تھے نیازی صاحب کو ارسال کئے گئے چنانچہ قائد اپنے ایک خط (محررہ ۳۰ جولائی ۱۹۴۱ء از حیدر آباد دکن) میں نیازی صاحب کو تحریر فرماتے ہیں :-

You are doing great work and I wish you all success.

نواب بہادر یار جنگ مرحوم سے بھی نیازی صاحب متعارف تھے۔ چنانچہ مکاتیب بہادر یار جنگ (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء) میں نیازی صاحب کے نام ایک خط ملتا ہے۔

پاکستان معرض وجود میں آنے کے بعد ۱۹۵۱ء میں نیازی صاحب میانوالی سے صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں دوبارہ ایم-ایل-اے منتخب ہوئے اور حزب

اختلاف کی بنچوں سے پردہ بل، حرمتِ سود، مسئلہ کشمیر، نظامِ تعلیم وغیرہ عنوانات پر تقریریں کیں ـــ ان کی پنجاب اسمبلی کی پانچ تقریروں کا مجموعہ مکتبہ رضویہ، گجرات نے ۱۹۷۷ء میں شائع کر دیا ہے۔ ـــ ۱۹۵۲ء میں نیازی صاحب نے ایک جامع و مکمل مسودۂ آئین خلافتِ پاکستان پیش کیا۔ جو دور رس نتائج کا حامل ثابت ہوا۔ سنہ مذکور ہی میں تحریکِ ختمِ نبوت میں مثالی کردار ادا کیا ـــ تحریک تحفظِ ختمِ نبوت میں سرگرمِ عمل رہے حکومت نے ناموسِ مصطفیٰ کے تحفظ کے "جرم" میں پھانسی کی سزا دی، [redacted] سی دوران اس سزا کے خلاف رِٹ دائر کی گئی جس پر سزا منسوخ ہو گئی اور مولانا باعزت بری ہو گئے تاہم اڑھائی سال کا عرصہ جیل میں گذارا۔ ۱۹۵۵ء میں شہداءِ تحریکِ ختمِ نبوت کی حمایت کے جرم میں بنگال ریگولیشن کے ماتحت نظر بند کر دیے گئے مگر عدالت نے باعزت بری کر دیا اس کے بعد مسلسل تحفظِ پاکستان اور نفاذِ شریعت کی خاطر بذریعہ تحریکِ خلافتِ پاکستان جدوجہد کرتے رہے ـــ ۱۹۷۲ء میں جمعیت علماء پاکستان پنجاب کے کنوینر مقرر ہوئے، پھر صدر ہوئے اس کے بعد ناظمِ اعلیٰ اور اب تک اِسی عہدے پر فائز ہیں ـــ ناظمِ اعلیٰ ہونے کے بعد انہوں نے نظامِ مصطفیٰ کے قیام اور مقامِ مصطفیٰ کی حفاظت کے لئے دن رات کوشش کی، ان کا کردار روشن و تابناک ہے، وہ خود لکھتے ہیں :-

تحریک بحالی جمہوریت ہو یا تحریک احیائے دین، میرا کردار ہر کہ و مہ اور دوست و دشمن کے سامنے واضح ہے۔ (نعرۂ حق، ص ۱۹)

۱۹۷۴ء میں تحریکِ ختمِ نبوت میں آل پاکستان مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے نائب صدر کی حیثیت سے پوری پوری سعی فرمائی۔ دو بار حج مبرور کی سعادت نصیب ہوئی اور کئی عمرے کئے دوسری بار ۷۵ء میں حج کے بعد بیرونی ممالک کینیا،

مشرقی افریقہ، نروبی، مارشیس، ری یونین، انگلستان، کروساؤ (کریبین آئی لینڈز) ٹرچ گی آنا (سرنام) نیویارک اور ہالینڈ کا مسلسل چار ماہ دورہ کیا اور تقریباً چھ سو سے زیادہ اجتماعات سے خطاب کیا

الغرض نیازی صاحب نے قیامِ پاکستان سے قبل، پھر اس کے بعد ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک، دورِ ایوبی (۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۹ء)، اور بھٹو [redacted] کے دور (۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۷ء) میں مجاہدانہ جذبے کے ساتھ پاکستان کے استحکام اور احیاءِ اسلام کے لیے کوشش کی، [redacted]، قید و بند کی بے پناہ صعوبتیں برداشت کیں مگر ع ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند —— جس کے مزاج کی تعمیر اسلام نے کی ہو وہ کسی اور مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتا، اُس کا اپنا الگ رنگ ہے —— نرالا رنگ، انوکھا رنگ —— اس رنگ میں رنگ جانے کے بعد دل خوف و حُزن سے مُبرّا ہو جاتا ہے اور قوتِ فرماں روا کے سامنے جھک نہیں سکتا ؎

بندہ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے
قوتِ فرماں روا کے سامنے بیباک ہے

نیازی صاحب کا تعلق سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ سے ہے، انہوں نے وہی کر دکھایا جو ساڑھے تین سو برس پہلے ان کے مُرشد مجددِ الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی نے کر دکھایا تھا ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

پانچ تاریخی تقریریں

پر تبصرہ

ضخامت : ۱۲۰۔صفحات ، کتابت ، طباعت عمدہ ، قیمت : سات روپے ۵۰ پیسے

"ہمارا معاشرہ نفسی نفسی ، اخلاقی انحطاط اور قومی مفادات سے چشم پوشی کی جو تصویر پیش کر رہا ہے اُس کے اسباب و علل اور محرکات یقیناً ماضی میں موجود ہیں ۔ اس وقت جو لوگ مستقبل کی پیش بینی کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور تھے اُنہوں نے برملا قوم اور حکمرانوں کو انتباہ کرنے کا فرض ادا کیا ۔ لیکن ان کی نصیحت صدا بصحرا ثابت ہوئی انہی مردانِ حق آگاہ میں سے ایک مولانا عبدالستار خاں نیازی تھے ۔ وہ تحریکِ پاکستان کے نوجوان غازیوں کے سرخیل تھے ۔ قیام پاکستان کے بعد وُہ پنجاب اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے اپنی رُکنیت کے دوران اُنہوں نے ہر اُس مسئلے پر بے باکانہ اظہار خیال کیا ہے جو اسمبلی میں زیرِ بحث آیا ۔

زیرِ تبصرہ کتاب ان کی اسمبلی کی پانچ تقریروں پر مشتمل ہے یہ تقریریں "بجٹ"، مسلم شخصی قانون"، "پردہ بل"، "مسئلہ کشمیر" اور "نظام تعلیم" پر کی گئیں ۔ مولانا موصوف کی مجاہدانہ اور عالمانہ شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ، اُنہوں نے ان تقریروں میں اسلام کی روشنی میں جو تجزیہ پیش کیا اور قوم کو جو تجاویز پیش کیں وہ اپنی افادیت اور اہمیت میں آج بھی قابل قدر ہیں اور قوم ان سے رہنمائی حاصل کر سکتی ہے ۔ کتاب کے مرتب ملک محمد اکبر خاں ساقی نے یہ کام انجام دے کر جہاں مولانا موصوف سے اپنی ارادت کا ثبوت دیا ہے وہاں قوم پر بھی احسان کیا ہے ۔ ورنہ مرورِ ایام کے ہاتھوں ایک بیباک اور دردمند محب قوم کے یہ افکار اسمبلی کی فائلوں میں دفن ہو کر رہ جاتے ۔" (نوائے وقت لاہور ، ۲۸ نومبر ۱۹۷۷ء)

